تعارف وتبصرہ

لغاتِ قرآن اور عورت کی شخصیت

پروفیسر خورشید عالم

ناشر: چودھری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۵۶۰، قیمت -/۸۵۰ روپے

مغرب میں آزادی و مساواتِ نسواں کی تحریکات کے نتیجے میں عورتوں کو زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر مقام مل گیا ہے اور وہ ہر وہ کام کرنے لگی ہیں جسے مرد انجام دیتے ہیں۔ اہلِ مغرب کا اسلام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کم تر حیثیت دی ہے اور اسے گھر کی چہار دیواری میں محبوس اور زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم مشارکت سے دُور رکھا ہے۔ علمائے اسلام نے اس اعتراض کا بھرپور جواب دیا ہے، سماج میں اس کے حقیقی مقام و مرتبہ کی وضاحت کی ہے اور دلائل کے ذریعے اس کی معقولیت واضح کی ہے، لیکن مسلم دانش وروں کا ایک طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جو حرّیتِ نسواں کی مغربی تحریکوں کا زبردست حامی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام میں مساواتِ مرد وزن کا وہی مطلب ہے جو مغرب نے سمجھایا ہے۔ وہ بڑے ہی معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں: جی حضور! عورتیں جس طرح آپ کے یہاں گھر کی چہار دیواری سے نکل کر زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کے دوش بہ دوش کام کرنے لگی ہیں، اس کا اسلام بھی داعی ہے، قرآن میں اسی کا حکم دیا گیا ہے، اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ایسا ہی سماج پایا جاتا تھا، یہ عہد زوال کے مفسرین، محدثین اور علماء ہیں، جو مسلمان عورت کی پستی کے ذمہ دار ہیں، انھوں نے اس کو قعرِ مذلّت میں ڈھکیل دیا ہے۔ زیرنظر کتاب کے مصنف بھی دانش وروں کے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا موضوع کہنے کو تو 'لغاتِ قرآن' ہے۔ اس میں ۲۸/ ابواب کے تحت قرآن کریم کے ایسے الفاظ اور اصطلاحات کو بہ اعتبار حروفِ تہجی جمع کر دیا گیا ہے جن کا کسی نہ کسی پہلو سے عورتوں سے تعلق پایا جاتا ہے۔ مثلاً اخت، ام، امرأۃ، اُنثیٰ، اہل، بنت، حلیلۃ، حور، رحم، زوج، صاحبۃ، نساء وغیرہ۔ ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کو بھی جگہ دی گئی ہے جو عورتوں کے لیے مخصوص تو نہیں ہیں، لیکن ان میں وہ بھی شامل ہیں، جیسے الانس، البشر، طائفۃ، عبد،

النا س، النفس، الیتیم۔ ان الفاظ کے معانی و مطالب اور قرآن میں ان کے مواقعِ استعمال، تفاسیر، احادیث، کتبِ لغات اور اشعارِ عرب کے حوالوں سے واضح کیے گئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس کا فوکس (Focus) اسی مرکزی نکتہ پر ہے کہ اسلامی شریعت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ہر معاملہ میں مساوات ہے اور عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرتا ہے (ص ۲۷، ۱۱۴ و دیگر)۔

اس بات کو مصنف نے پوری کتاب میں مختلف انداز سے بار بار دہرایا ہے۔ حتی کہ بعض مواقع پر بڑی نامعقول باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''مرد و زن میں جو حیاتیاتی امتیاز پایا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دوسرے کے کام کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کا دائرۂ کار الگ ہے ...
> ہر صنف کے وجود میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔
> سرجری کے ذریعے مرد خاتون بن جاتا ہے اور خاتون مرد'' (ص ۱۳۰)
> ''دنیا کی موجودہ اقتصادی صورت حال میں کسی ملک کی نصف آبادی کو زندگی کے تمام میدانوں میں شریک ہونے سے روک دیا جائے تو ترقی کیسے ہوگی''۔ (ص ۱۳۱)

یہی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ عورتوں کو مردوں سے افضل قرار دیتے ہوئے بڑی مضحکہ خیز باتیں لکھ جاتے ہیں:

> ''اگر دنیا میں سارے مرد ختم ہوجائیں تو دنیا ختم نہیں ہوگی، لیکن اگر سب عورتیں ختم ہوجائیں تو بقائے نوع کا سلسلہ رک جائے گا اور دنیا ختم ہوجائے گی''۔ (ص ۲۹۵)

جنین کی تشکیل میں مرد اور عورت دونوں کا کردار اہم اور مساوی ہوتا ہے، ان میں سے کسی کے کردار کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ مرد کے نطفہ (Sperm) اور عورت کے بیضہ (Ovum) کے امتزاج سے حمل کا استقرار رحم مادر میں ہوتا ہے، ان میں سے اگر کوئی ایک مفقود ہو تو استقرار حمل نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر اگر تمام مرد دنیا سے ختم ہوجائیں تو بھی بقائے نوع کا

سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔

جو لوگ مصنف کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے، ان کے لیے ان کا قلم تلخ اور زبان سخت ہو جاتی ہے۔ وہ جا بجا انھیں ہدف تنقید و ملامت بناتے ہیں:

''جن لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ عورت مرد سے گھٹیا ہے وہ قرآنی آیات کو کھینچ تان کر اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں''۔ (ص۲۲۰)

''بد قسمتی سے ہمارے مفسر اور مذہبی پیشوا جب بھی عورت پر مرد کی فضیلت کا قصہ چھیڑتے ہیں تو عورت کو ناقص، کم عقل، ناشکر گزار اور ناصبور ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اس بات کو قطعی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی کن خصوصیات اور صلاحیتوں کو بیان کیا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ ایسی ضعیف اور جھوٹی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جن کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نبی کریم ﷺ جیسی انسان شناس ہستی کی زبان سے صادر ہوئی ہوں گی''۔ (ص۱۳۳)

دوسری طرف حال یہ ہے کہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ضعیف روایات کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے بیانات کو ثابت شدہ حقیقت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً جب وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مرد کی طرح عورت بھی حکم راں ہو سکتی ہے تو اس کے لیے ملکۂ سبا (بلقیس) کی مثال پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دینی و شرعی اعتبار سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کہتے ہیں: ''تمام آثار و روایات اور مورخین کی آراء سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی ملکہ بلقیس سے شادی ہوئی اور انھوں نے انھیں حکومت پر برقرار رکھا''۔ (ص۱۰۴) حالاں کہ کسی صحیح روایت میں ملکۂ سبا کی حضرت سلیمانؑ سے شادی اور بہ حیثیت حکم راں برقراری کی صراحت نہیں ہے۔ (اس موضوع پر مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی تصنیف 'عورت- اسلامی معاشرے میں' تفصیل سے بحث کی ہے اور ان روایات کو اسرائیلیات میں سے قرار دیا ہے۔ طبع مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۸۳-۲۸۴)

خواتین کو مردوں کی صف میں لانے کے لیے فاضل مصنف نے متعدد مباحث چھیڑے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مردوں کی طرح خواتین کے پاس بھی اللہ کے فرشتے وحی لے کر آتے تھے، ان سے ہم کلام ہوتے تھے اور وہ نبی بنائی گئی ہیں (ص۷۰)۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم ۔ (یوسف:۱۰۹، النحل:۴۳، الانبیاء:۷) لیکن وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو اگرچہ رسول نہیں بنایا گیا، لیکن رسول بننے کی صلاحیتیں ان میں پائی جاتی تھیں:

''عورت کا رسول ہونا محال یا ناممکن نہیں۔ ان میں دل و دماغ کی وہ صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں جو ایک مرد میں پائی جاتی ہیں''۔ (ص۲۳۴)

''عورت کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس میں نقص ہے، بلکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ فاسد معاشروں میں، جہاں عورت کو ایک 'چیز' سمجھا جاتا تھا، ان معاشروں میں عورت کو اس کی صلاحیتوں کے باوجود رسول بنا کر نہ بھیجنا حالات کے تقاضوں کے عین مطابق تھا''۔ (ص۳۷۸)

جمہور امت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر حضرت حوّا کو۔ وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں ''خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [النساء:۱، الاعراف: ۱۸۹، الزمر:۶]۔ لیکن چوں کہ اس سے یک گونہ آدم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے مصنف نے ان آیات کی دور از کار تاویل کی ہے۔ ان کے نزدیک لفظ 'نفس' سے 'جنس' مراد لی جائے یا کچھ اور، بہر حال ابوالبشر آدم مراد نہیں ہو سکتے:

''آیت میں خطاب تمام انسانوں سے ہے، اس سے مراد ذہن میں موجود خاص نفس کیسے ہوسکتا ہے، جو سب انسانوں کے نزدیک مسلّم بھی نہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو آدم و حوا کو جانتے تک نہیں'' (ص۴۷۰-۴۷۱)

''قرآن حکیم میں کوئی اصولی اور قطعی نص اس بارے میں موجود نہیں کہ آدم ہی انسانِ اول ہیں۔ قرآن کریم میں لوگوں کو بنی آدم کہہ کر پکارا گیا ہے، وہ اس بات کی نصِّ قطعی نہیں کہ نوعِ بشری آدم کی اولاد ہیں۔ ہاں نزول قرآن

کے زمانے میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے وہ تو آدم کی اولاد ہوسکتے ہیں۔سورۂ البقرہ کے آغاز میں قصۂ آدم کے تذکرہ میں یہ ثبوت موجود ہے کہ آدم سے پہلے ایسے بشر موجود تھے جو زمین میں فساد بپا کرتے اور خوں ریزی کرتے تھے۔سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۹ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدم ابوالبشر نہیں تھے'' (ص۲۷۲)

مصنف کے یہ دونوں حوالے غلط ہیں۔سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات میں آدم سے قبل کی کسی مخلوق کا ذکر ہے نہ سورۂ اعراف کی آیت میں آدم کے ابوالبشر نہ ہونے کی کوئی صراحت موجود ہے۔

جنت کی حوروں کے بارے میں قرآن کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں ہوں گی جو مومن مردوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا میں ملیں گی۔اس میں بھی مصنف کو عورتوں کی فروتری کا پہلو نظر آیا، چنانچہ انھوں نے یہ تحقیق پیش کی کہ لغوی طور پر 'حور' کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ جنت میں مردوں کو عورت حوریں ملیں گی اور عورتوں کو مرد حور:

''ہمارے یہاں تصور یہ ہے کہ جنتی مردوں کو بڑی خوب صورت بیویاں ملیں گی، جنھیں قرآن نے حوروں کا نام دیا ہے۔اس سے آدمی کا ذہن آخرت کی زندگی میں مرد اور عورت کے جنسی تعلق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے'' (ص۲۷۲)

''قرآن نے بہشت کی کسی نعمت کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں میں فرق نہیں رکھا۔ بلاشبہ حور بہشت کی نعمت ہے اور یہ نعمت مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہے'' (ص۲۷۵)

'' لفظ 'حور' صرف مونث کے لیے نہیں بولا جاتا۔ اگرچہ اس لفظ کا استعمال عام طور پر عورتوں کے لیے ہوتا ہے، مگر اس سے مراد صرف عورتیں نہیں ہوسکتیں''۔(ص۲۷۶)

حالاں کہ قرآن میں لفظ 'حور' کے ساتھ آنے والی صفت اور ضمیر دونوں مؤنث ہیں [**مقصورات، لم یطمثهن**۔الرحمٰن:۷۲،۷۴] اس سے ان کا 'عورتیں' ہونا متعین ہوجاتا ہے۔